ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

تشبیہاتِ رومی

(۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کے جسم کے اندر کوئی باریک کانٹا چُبھ کر زیر جلد چُھپ جاتا ہے اور اس کا نکالنا دشوار ہو جاتا ہے اسی طرح انسان کی نفسی زندگی میں بعض ناقابلِ اظہار آرزوؤں کے باریک کانٹے دل کے اندر چُبھ کر چُھپ جاتے ہیں۔ جس کے نفس میں یہ کانٹے چُبھے ہیں اس میں بے حد خلش اور بے چینی پیدا کرتے ہیں لیکن خود اس کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔ کیونکہ تحت الشعور میں گھُس گئے ہیں اور شعور کی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں جب تک کوئی طبیبِ نفسی سوزنِ تحقیق سے ان کو نہ نکالے وہ برابر تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ انسان اضطراب میں جتنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اتنا ہی مرض میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ بعض لڑکے شرارت سے گدھے کی دُم کے اندر کچھ کانٹے اٹکا دیتے ہیں گدھا بے تاب ہو کر اُچھلنے کودنے اور لوٹنے لگتا ہے تاکہ اس نامعلوم آفت سے نجات پائے۔ لیکن ان بے تابانہ حرکتوں سے کانٹے اس کی جلد میں اور زیادہ گڑ جاتے ہیں۔ انسان کی جب ایسی کیفیّت ہو اور کچھ کانٹے دل کے اندر چُبھ گئے ہوں، جن کا خود اس کو شعوری طور پر علم نہ ہو تو اس کا علاج کوئی طبیبِ نفسی ہی کر سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مولانا نے اس کنیز کے قصّے میں لکھے ہیں جو بادشاہ کو بہت محبوب تھی، لیکن کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوئی کہ محض جسمانی عوارض کے اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ آخر کار ایک طبیبِ نفسی نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بہت حکمت عملی سے اس کی پہلی زندگی کے حالات دریافت کرنے شروع کر دئے۔ اور ہر جواب پر نبض کی حرکت کے تغیّر پر غور کرتا گیا اور آخر کار دریافت کر لیا کہ کیا بات اس کو اندر سے ستا رہی ہے۔ اس تحقیق سے اس کا علاج آسان ہو گیا:

نرم نرمک گفت شہرِ تو کجاست ــــ کہ علاج اہلِ ہر شہرے جُداست
و اندراں شہر از قرابت کیست ــــ خویشی و پیوستگی با چیست
دست بر نبضش نہاد و یک بیک ــــ باز می پرسید از جورِ فلک

چوں کسے را خار در پائش خلد ــــ پائے خود را بر سرِ زانو نہد
واز سرِ سوزن ہمی جوید سرش ــــ ور نیابد میکند بالب ترش

خار در پا شد چنیں دشوار یاب | خار دل چوں بود ہا وادہ جواب
خار دل را گر بدیدے ہر خسے | کے غماں را دست بودے برکسے

کس بزیر دُم خر خارے بند | خر نداند دفع او، بر می جہد
خر زبہر دفع خار از سوز و درد | جُفتہ می انداخت صد جا زخم کرد
آں لگد کے دفع خارِ او کند | حاذقے باید کہ بر مرکز تند
بر جہد واں خار محکم تر کند | عاقلے باید کہ خارے بر کند

ہر انسان کی زندگی میں بعض آرزوئیں اور بعض مقاصد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسرار سربستہ کی طرح چھپائے رکھنا ہی موصل الی المقصود ہوتا ہے۔ جو لوگ پیٹ کے ہلکے ہیں وہ کسی اچھی یا بُری بات کو چھپا نہیں سکتے اور بڑ بولے پن سے اپنا اور دوسروں کا نقصان کرتے ہیں:۔

جو پیٹ کے ہلکے ہیں پچے بات کب اُن سے | رو کیں تو ابھر جائے شکم اور زیادہ

اچھی آرزوؤں اور اچھے مقاصد کو عرصۂ دراز تک سینے میں پنہاں رکھا جائے تو خاموشی میں ان کی پرورش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ ان کے ایفا اور اظہار و تکمیل کا وقت آجاتا ہے۔ اگر انسان ہر کس و ناکس سے اس کے متعلق ذکر کرتا رہتا تو کبھی مقصود کو نہ پہنچتا۔ روحانی زندگی بھی خاموشی ہی میں پرورش پاتی ہے۔ مولانا اس کے متعلق پہلے ایک حدیث رسولؐ پیش کرتے ہیں۔

من کتم سرہ حصل مرادہٗ۔ | جس نے اپنے راز کو چھپایا اس نے اپنی مراد کو حاصل کر لیا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو دانہ اگر زمین کے اندر کچھ عرصہ پنہاں نہ رہتا تو کبھی سر سبز ہو کر گل و ثمر نہ پیدا کر سکتا۔ سونا چاندی، لعل و جواہر سب کان کی تاریکی میں عرصۂ دراز بسر کر کے اس حالت اور اس قیمت کو پہنچتے ہیں۔

چونکہ اسرارت نہاں در دل شود | آں مرادت زود تر حاصل شود
گفت پیغمبر ہر آں کو سِر نہفت | زود گردد با مرادِ خویش جفت
دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود | بعد ازاں سر سبزیٔ بستاں شود
زرّ و نقرہ گر نبودندے نہاں | پرورش کے یافتندے زیرِ کاں

انسان کے اکثر اعمال کے نتائج اور اثرات ابتدا میں خارج میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور انسان اس دھوکے میں رہتا ہے کہ ان کا کچھ خراب اثر اس کے باطن پر نہیں پڑا۔ کسی کو ظلم سے قتل کرتا یا کسی مظلوم کا مال چھین لیتا ہے اگر قانون اور سیاست کی گرفت میں نہیں آیا تو سمجھتا ہے کہ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا دھوکا ہے۔ یہ جہان سزا و جزا کے معاملے میں ایک پہاڑ کی طرح ہے۔ یہاں ہر ندا کی صدائے بازگشت ہے۔ ہر آواز کی ایک گونج ہے۔ گوشِ ظاہر اسے سنے یا نہ سنے وہ صدا اس کے باطن سے ضرور ٹکراتی ہے۔ دوسری مثال دیوار اور اس کے سایہ کی ہے۔ طلوعِ آفتاب کا سایہ دور دور پڑتا ہے لیکن جیسے جیسے سورج نصف النہار کے قریب ہوتا ہے سایۂ دیوار سمٹ کر دیوار سے چمٹ جاتا ہے۔ اسی طرح اعمال ہر چند کہ متعدی نغیر ہوتے ہیں مگر آخر ان کی جزا و سزا صاحبِ عمل کو مل کر رہتی ہے۔

لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت ۔ اس کو وہی کچھ ملیگا جو اس نے کیا اور اسپر اُسی کی ذمہ داری ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا۔

گرچہ دیوار افگند سایہ دراز بازگردد سوئے او آں سایہ باز
ایں جہاں کوہ است و فعلِ ما ندا سوئے ما آید نداہا را صدا

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

خدائے رحیم و کریم کی ذات و رحیمانہ صفات پر عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ امر تعجب انگیز اور بعض اوقات تشکیک آفرین ہوتا ہے کہ یہاں دنیا میں انسانوں کو بے جرم و قصور بھی گزند پہنچتی ہے۔ یہ قہر خدا کی رحمت کے باوجود کیوں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا یہ جواز و توجیہ پیش کرتے ہیں کہ خدا کی مشیت لطفِ عام پر نظر رکھتی ہے اور کثیر انسانوں کی بھلائی کے لئے بھی کسی ایک فرد پر قہر کرنا لازم ہو تو یہ عدل و رحم کے منافی نہیں اور انجام کار اس فرد کی بھلائی بھی اسی میں ہے۔ تمام نوعِ انسان کو اگر ایک عضوی وجود تصوّر کیا جائے تو کسی ایک عضوِ فاسد پر جراحی کا عمل اگرچہ بظاہر اس عضو پر قہر معلوم ہوتا ہے لیکن تمام جسم کی تندرستی ایک مقصود کلی ہے جس میں آخر کار جزو کی بھی بھلائی ہے۔ حضرت مسیحؑ جیسے رحمتِ تامہ کے مظہر نبی نے بھی یہی تعلیم دی کہ تمام جسم کی بھلائی کے لئے کسی ایک عضو کا کاٹ دینا بھی جائز ہے۔ یہاں تک کہ آنکھ بھی نکال دینی پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ کسی ایک جزو پر کوئی ہنگامی قہر خدا کے لطفِ مطلق کے منافی نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شرع میں یہ عمل جائز ہے کیونکہ شریعت کی بنیاد فلاحِ عامہ ہے:

قہر خاصے از برائے لطفِ عام   شرع میدارد روا بگذار گام
گر ندیدے سود او در قہر او   کے شدے آں لطفِ مطلق قہر جو

آگے ایک یقین آفریں مثال پیش کرتے ہیں کہ ماں جو بچے کے لئے سراپا محبت ہے بضرورتِ صحت اس کو پچھنے لگواتی ہے۔ بچہ ڈر کر کانپتا اور درد سے روتا ہے۔ لیکن ماں دل میں خوش ہوتی ہے کہ اس سرسری درد کے بعد بچہ تندرست ہو جائے گا :

طفل می لرزد زنیشِ احتجام   مادرِ شفق دراں غم شاد کام

عام انسانوں کی فطرت یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اسی وجہ سے شدید غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مولانا نے ایک بقال اور اس کے طوطے کی حکایت لکھی ہے کہ طوطا بڑا ذہین اور نقال تھا اور آدمی کی طرح ناطق معلوم ہوتا تھا۔ دکان کا مالک جب کچھ عرصہ کے لئے دکان کو چھوڑ کر گھر جاتا تھا تو طوطے کو نگہبانی کے لئے چھوڑ جاتا تھا۔ غالباً دکان پر آنے والے کو کہتا ہوگا کہ ہٹ جاؤ چیزوں کو ہاتھ نہ لگاؤ، مالک یہاں نہیں ہے خبردار۔ ایک روز ایسا ہوا کہ دکان میں ایک بلی چوہے کو پکڑنے کے لئے کودی، تو بیچارہ طوطا اپنی جان کے خوف سے دکان کے صدر سے اچھل پڑا اور روغن بادام کی بوتلیں گرادیں۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے غصے سے طوطے کے سر پر کوئی ایسی چیز زور سے ماری کہ وہ بیچارہ گنجا ہوگیا۔ اور اس صدمے سے اس نے بولنا چھوڑ دیا۔ اب مالک کو بہت رنج ہوا۔ درویشوں کو نذر نیاز پیش کرنی شروع کی کہ خدا اس طوطے کو پھر گویا بنادے۔ خود بھی طرح طرح سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتا مگر طوطا کچھ نہ بولتا۔ ناگہاں ایک فقیر دکان کے آگے سے گزر رہا تھا جو سر سے ایسا گنجا تھا کہ اس کی کھوپری طاس و طشت معلوم ہوتی تھی۔ اس کو دیکھ کر طوطا یکدم بول اٹھا کہ تو نے بھی کسی کا روغن گرادیا تھا جس نے تجھ کو گنجا کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان بھی عام طور پر دوسروں کی بابت اسی طرح قیاس کرتے ہیں۔ ذرا سی ظاہری مشابہت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ فلاں شخص سے جو اس قسم کا عمل صادر ہوا ہے تو وہ ضرور ہماری ہی قسم کا ہوگا۔ پاکباز بزرگوں کے اعمال کے محرکات اپنی قسم کے سمجھ لیتے ہیں اور اس سے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔ لکھنے میں شیر لکھا ہو تو وہ درندہ بھی ہو سکتا ہے اور دودھ بھی۔ اعمال میں ظاہر کی ہم صورتی کے باوجود بھی حقیقت میں بُعد المشرقین ہو سکتا ہے :

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر
شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد   شیر آں باشد کہ مردم را دَرد

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شد
ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہم چو خود پنداشتند
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمے ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ظاہری اعمال ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں لیکن عمل کرنے والوں کی فطرت کے تفاوت سے نتائج عمل بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی قسم کے پھولوں سے رس چوستے ہیں۔ لیکن بھڑ میں اس سے نیش پیدا ہوتا ہے اور شہد کی مکھی میں نوش۔ دو قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔ لیکن ایک اس سے فقط مینگنیاں بناتا ہے اور دوسرا کستوری۔ اسی طرح نے کی قسمیں ہیں ایک ہی جگہ پر کاشت کی گئیں اور ایک ہی قسم کے پانی سے سیراب ہوئیں لیکن ایک میں شکر پیدا ہو گئی اور دوسری خالی رہی۔ انسان ہم صورتی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ آبِ تلخ اور آبِ شیریں دونوں کی صورت ایک جیسی صاف و شفاف ہوتی ہے چکھنے کے بغیر ان کا فرق معلوم نہیں ہو سکتا۔ ظاہری اعمال کی ہم صورتی انسانوں کو ایک دوسرے کے متعلق فیصلہ کرنے اور اندازہ لگانے میں شدید کج فہمی میں مبتلا کرتی ہے :

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکِ ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور آں یکے خالی و آں پُر از شکر
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں فرقِ شاں ہفتاد سالہ راہ بیں
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست

انبیاء کے معجزات اور جادوگروں کے سحر میں ظاہری مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے روحانی اندھے نبی کو بھی جادوگر سمجھ لیتے ہیں۔ موسیٰؑ اور ساحروں کے مقابلے میں جادو مقابلِ جادو نہ تھا اگرچہ فرعون کے درباریوں کو ایسا ہی دکھائی دیا۔

انسانوں کی مذہبی زندگی کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ جس شخص کے اندر خلوص اور روحِ دین موجود ہے، اس سے عبادات اور نیک اعمال خاص صورتوں میں سرزد ہوتے ہیں چونکہ عام لوگ متقی اور دیندار کو

عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے ایسے منافق بھی جن میں دین وایمان کی ایک رتی نہیں ہوتی۔ان کے ظاہری اعمال کے نقال بن جاتے ہیں۔ عابدِ نیک کردار کے مقابلے میں ان کی مثال بندر کی سی ہے بندر بھی انسانی حرکات کی نقل کرلیتا ہے حالانکہ اس کی حیوانی زندگی میں اس کا کچھ مقصد ومفہوم نہیں ہوتا۔اسی طرح منافقوں نے مومنوں کے ساتھ مقابلہ لگا رکھا ہے ان کی خدافریبی اور خلق فریبی دراصل خود فریبی ہے۔

مایخدعون الا انفسھم۔ اور وہ اپنے سوا اور کسی کو دھوکا نہیں دیتے۔

ایسے ریاکار نمازیوں پر خدا نے لعنت بھیجی ہے اور ایسے روزہ دار کے متعلق رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اس کا روزہ محض بھوک پیاس کی بے سود زحمت ہے۔اس ریاکاری سے اس کی غرض فقط یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے مومن سمجھیں اور مومن کہیں:

درنماز وروزہ و حج و زکوٰۃ — با منافق مومناں در بُرد و مات

مومناں را بُرد باشد عاقبت — با منافق مات اندر آخرت

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند — حق را بسجودے و نبی را بدرودے (غالب)

ان منافقوں سے لوگ اسی طرح دھوکا کھاتے ہیں جس طرح کہ کھوٹے سکے بھی بازار میں چلتے ہیں کم ہی کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جس کو سونے چاندی کے کھوٹے کھرے ہونے کی تمیز ہو۔ صرّاف بھی سونے کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی اس کے معیار کا اندازہ کرسکتا ہے۔خلوص وریا میں فرق کرنے اور مومن ومنافق میں امتیاز کرنے کی کسوٹی بعض صلحاء کے قلب میں خدا نے رکھی ہے۔وہ قلب سے فتوے لے کر فوراً صحیح اندازہ کرلیتے ہیں۔رسولِ کریمؐ نے ایسے ہی مردِ صالح کو استفتِ قلبک کی تلقین کی کہ اپنے قلب سے فتوے لے لیا کرو:

زرِ قلب وزرِ نیکو در عیار — بے محک ہرگز ندانی اعتبار

ہرکرا در جاں خدا بنہد محک — ہر یقیں را باز داند او زشک

انچہ گفت استفتِ قلبک مصطفےؐ — آں کسے داند کہ پُر بود از وفا

ایک حدیثِ رسولؐ وابصہؓ سے مروی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا وابصہ جئت تسئال عن البرّ والاثم۔ اے وابصہ کیا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا جی ہاں۔راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے اپنی انگلیاں جوڑ کر سینہ پر ماریں اور فرمایا استفت نفسک، استفت قلبک۔اس کو تین مرتبہ فرمایا یعنی اپنے نفس سے پوچھو اپنے دل سے پوچھو۔اس کے بعد فرمایا:

البّر ما اطمانت الیہ النفس واطمئن الیہ القلب ۔ والاثم ما حاك فی النفس وتردّد فی الصّدر وان افتاك الناس۔	نیک کام وہ ہے جس پر تیرے نفس کو اطمینان اور تیرے دل کو تسلی ہو اور بُرا کام وہ ہے جو تیرے نفس میں کھٹکے اور تیرے سینے میں تردّد ڈالے اگرچہ لوگ اس کے کرنے کا تجھے فتوے دیں۔

لیکن ہر کس و ناکس کا قلب نیک و بد کی کسوٹی نہیں ہوتا۔

اس کے بعد مولانا نے ایک بہت عمدہ مثال سے مطلب واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو تندرست انسان دہانِ زندہ رکھتا ہے اس کے لقمے میں اگر ایک تنکا چلا آئے تو زبان اس کو محسوس کرکے رد کر دیتی ہے۔ جس طرح صحت مند حس ظاہری کھانے پینے میں ناقابلِ خطا معیار اپنے اندر رکھتی ہے اسی طرح حسِ روحانی بھی اگر زندہ ہو تو شر کا خفیف سا شائبہ بھی محسوس کرلیتی ہے:

در دہانِ زندہ خاشاک از جہد   آنگہ آرامد کہ بیرونش نہد
در ہزاراں لقمہ یک خاشاکِ خرد   چوں در آمد حسِّ زندہ بے بُبرد

حسِ ظاہری میں اگر خلل واقع ہو اور وہ ذائقے کے متعلق صحیح معیار نہ رہے تو کسی جسمانی طبیب کی طرف رجوع کرو۔ اگر اخلاقی اور روحانی حس میں خلل آگیا ہے تو سیرتِ حبیبِ خدا کی طرف رجوع کرو تاکہ تمہیں صحیح کسوٹی ہاتھ آجائے:

صحتِ ایں حس بجوئید از طبیب   صحتِ آں حس بجوئید از حبیبؐ

جب بلند مقاصد کے لئے انسانوں کو ایثار کی تلقین کی جاتی ہے کہ ان کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دو اور مادی اسباب کی ویرانی کو بخوشی گوارا کرلو تو کوتاہ اندیش لوگ اس قربانی سے گھبراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی سامان تو اسبابِ زندگی ہے اگر یہ گیا تو ہاتھ خالی رہ جائیں گے اور زندگی دشوار ہو جائے گی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ انسانوں کی ظاہری تعمیرِ حیات کی بنیادوں میں یعنی قلب کی گہرائیوں میں ایک بیش بہا خزانہ تفہیمِ الٰہی کا ہے جب تک اوپر کی تعمیر کو گرا کر بنیادیں نہ کھودی جائیں تب تک اس گنجِ بے بہا تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ خزانہ ہاتھ آگیا تو نہ صرف اس تخریب کی تلافی ہو جائے گی بلکہ اس سے ہزار درجہ بہتر تعمیر بھی بن سکے گی اور روحانی زندگی کا قصر بے قصور دائمی سکونت و تسکین کے لئے مل جائے گا:

اے خنک جانیکہ بہرِ عشقِ حال   بذل کرد او خانمان و ملک و مال
کرد ویراں خانہ بہرِ گنجِ زر   وزہماں گنجش کند معمور تر

بلند مقاصد کے حصول کے لئے کچھ عرصہ تک سامانِ حیات کی محرومی سے مت گھبراؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نہر یا تالاب کو صاف کرنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے پانی کی درآمد اس میں بند کردی جاتی ہے۔ جب خوب صفائی ہوچکے تو پھر اس میں صاف پانی چھوڑا جاتا ہے۔ اگر پہلے پانی بند نہ کیا جاتا تو نہر یا تالاب کا پانی روز بروز گدلا ہوتا جاتا:

آب را ببرید وجو را پاک کرد　　　بعد ازاں در جو رواں کرد آب خورد

دوسری مثال یہ ہے کہ جب تیر کی نوک جلد کے اندر پیوست ہوجائے تو پوست کے ایک حصّے میں نشتر سے شگاف کرنا پڑتا ہے۔ پیکان کے نکل جانے کے بعد شگاف مندمل ہوجاتا اور تندرست و تازہ پوست مل جاتا ہے:

پوست را بشگافت پیکاں را کشید　　　پوست تازہ بعد ازآنش بردمید

جنگ میں دشمن کے قلعہ پر گولہ باری کرکے اس کو ویران کیا جاتا ہے۔ اگر فتح ہوجائے تو فاتح اس سے زیادہ مضبوط قلعہ بنا لیتا ہے۔ لہٰذا ایسی ویرانی سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے جو کسی عظیم تعمیری کام کے لئے مقدم ہو:

قلعہ ویراں کرد و از کافر ستد　　　بعد ازاں بر ساختش صد بُرج و سد

بعض جھوٹے پیروں نے تصوّف کی اصطلاحیں یاد کر رکھی ہیں اور روحانی زندگی کے بارے میں دلفریب تقریر کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ بعض صیاد پرندوں کا شکار کرنے کے لئے پرندوں کی بولیوں کی نقل میں ایسی مشق کر لیتے ہیں کہ بچارے سادہ لوح پرندے دھوکا کھا جاتے ہیں کہ کوئی دوسرا پرندہ ان کا ہم صفیر بول رہا ہے۔ صیاد کسی جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوتا ہے پرندے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کے قریب آجاتے ہیں اور وہ انہیں جھپٹ لیتا ہے۔ آدمی کی صورت میں تمہیں بہت سے ابلیس ملیں گے جو رہنما نہیں بلکہ رہزن ہیں۔ دھوکے میں آکر ان کی بیعت نہ کر لینا۔

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نشاید داد دست
زانکہ صیّاد آورد بانگِ صفیر　　　تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر
بشنود آں مرغ بانگ جنسِ خویش　　　از ہوا آید بیابد دام و نیش
حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں　　　تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

کارِ مرداں روشنی و گرمی است　　کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو برحق مانا جائے۔ ایک کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا سمجھنے سے ایمان باطل ہو جاتا ہے۔

لانفرق بین احدٍ من الرسل۔　　ہم انبیاء میں باہمی تفریق روا نہیں رکھتے۔

یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ کو مانا اور حضرت عیسیٰؑ کو جھوٹا سمجھا حالانکہ ان دو اولوالعزم پیغمبروں کی تعلیم کی اساس عقیدۂ توحید ہی تھا۔ ایک کو ماننے اور دوسرے کو نہ ماننے سے کس طرح اپنے پیغمبر پر بھی ایمان باطل ہو جاتا اور دین غارت ہو جاتا ہے، اس کو ایک عجیب دلنشیں مثال سے مولانا نے سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی بادشاہ نصرانیوں پر بہت ظلم کرتا تھا اور ان کے پیغمبر کو جھوٹا سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بضد یکدگر دو جداگانہ ہستیاں تھیں۔ اس کو تاہ اندیش کو ان کی تعلیم میں وحدت نظر نہ آتی تھی۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ حقیقت میں تو ایک ہی تھے۔ لیکن اس یہودی کو دو نظر آتے تھے۔ جس طرح چشم احول رکھنے والے بھینگے کو ایک چیز دو نظر آتی ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک اُستاد کا ایک بھینگا شاگرد تھا اُستاد نے ایک روز اس شاگردِ احول سے کہا کہ جا اندر مکان میں ایک بوتل دھری ہے اُٹھا لا۔ شاگرد اندر سے ہو کر اُستاد کے پاس واپس آیا کہ وہاں تو دو بوتلیں پڑی ہیں ان میں سے کونسی لاؤں۔ اس نے کہا کم بخت بوتل تو وہاں ایک ہی ہے دوسری کہاں سے آگئی۔ شاگرد نے کہا حضرت خواہ مخواہ مجھ کو جھٹلا رہے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں کہ دو ہیں، معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسی آپ چاہتے ہیں۔ استاد نے تنگ آکر کہا کہ جا اُن میں سے ایک کو توڑ دے اور دوسری اُٹھا لا۔ شاگرد نے بتعمیل حکم ایک کو ٹیخ کر توڑ دیا تو مُعاً دوسری بھی غائب ہو گئی:

بود شاہے در جہوداں ظلم ساز　　دشمنِ عیسیٰؑ و نصرانی گداز
عہدِ عیسیٰ بود و نوبت آنِ او　　جانِ موسیٰ او و موسیٰ جانِ او
شاہِ احول کرد در راہِ خدا　　آں دو دم سازِ خدائی را جُدا

گفت استاد احولے را کاندر آ　　رو بروں آر از وثاق آں شیشہ را
چوں درونِ خانہ احول رفت زود　　شیشہ پیشِ چشم او دو می نمود
گفت احول زاں دو شیشہ تا کدام　　پیش تو آرم بکن شرحے تمام
گفت استاد آں دو شیشہ نیست رَو　　احولی بگذار و افزوں بیں مشو

گفت اے اُستا مراطعنہ مزن　　گفت استاز اں دو یک را برشکن
چوں یکے بشکست ہر دو شد زچشم　　مرد احول گرد د از میلان وخشم
شیشہ یک بود و بچشمش دو نمود　　چوں شکست آں شیشہ را دیگر نبود

نفس کے دھوکے اور من کی چوریاں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں انسان اپنے اعمال صالحہ اور عبادات ایک تھیلے میں جمع کرتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ چشمِ باطن سے دیکھتا ہے تو تھیلا خالی ہوتا ہے۔ اور حیران ہوتا ہے کہ میرے اعمالِ صالحہ کہاں غارت ہو گئے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک چوہے نے اس تھیلے میں سوراخ کر رکھا ہے اور اندر ہی اندر سے تمام گیہوں کھا جاتا ہے۔ انسان اگر نفس کا محاسبہ نہ کرتا رہے تو نفس کا مکر وفن اس کے اعمال کو نیست ونابود کر دیتا ہے:

ما دریں انبان گندم می کنیم　　گندمِ جمع آمدہ گُم می کنیم
می بیندیشیم آخر ما بہوش　　کایں خلل در گندم است از مکرِ موش
موش تا انبانِ ما حفرہ زدہ است　　واز فنش انبارِ ما ویراں شدہ است
اوّل اے جاں دفعِ شرِ موش کُن　　وانگہ اندر جمع گندم جوش کن

بے حضور نماز پڑھنے والے جنہوں نے محض جنبشِ اعضاء کو نماز سمجھ لیا ہے اور اپنے آپ کو بے نمازوں کے مقابلے میں عابد ومتقی سمجھتے ہیں ان کی عمر بھر کی نمازیں غارت ہو جاتی ہیں۔

بشنو از اخبارِ آں صدر الصدور　　لا صلوٰۃ (تمّ) الاّ بالحضور

مشہور حدیث ہے لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔

حکمتِ رومی

مصنّفہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب

قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ:- ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور (مغربی پاکستان)